رحمانیت کے تعلق سے حضرت محمد ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں

میں آپ کو وہ ولی بنانا چاہتا ہوں جو بنانے کیلئے رحمۃ للعالمین تشریف لائے

(خطبہ جمعہ فرمودہ 7/ اپریل 1995ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ (الاعراف: 181)

پھر فرمایا:۔

تمام حسین نام اللہ ہی کے ہیں۔ فَادْعُوْهُ بِهَا پس اللہ کو انہی ناموں سے پکارو۔ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ان لوگوں سے علیحدگی اختیار کر دیا ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ جو اس کے ناموں میں الحاد سے کام لیتے ہیں۔ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ انہیں جو کام کرتے ہیں ان کا بدلہ دیا جائے گا یا وہ بدلہ دیئے جائیں گے ان کاموں کا جو وہ کرتے ہیں۔

اس آیت کا تعلق اسی مضمون سے ہے جو میں گزشتہ چند خطبوں سے بیان کر رہا ہوں بلکہ عید کے دن غالباً اس کا آغاز ہوا تھا اس کے بعد بیچ میں دو خطبات آئے ہیں اور یہ تیسرا ہے۔ پہلے اس سے کہ میں یہ مضمون شروع کروں آج ایک نئے ملک میں ایک نئی مسجد کے افتتاح کا اعلان کرنا چاہتا ہوں۔ یہ پاپوا نیوگنی کی مسجد ہے اور اس کا نام ''بیت الکریم'' رکھا گیا ہے۔

اب جتنے بھی مساجد کے نام رکھے جارہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے نام پر ہی ہیں یا اللہ کے اسماء پر ہیں۔ پس اس مضمون کا بھی جو پہلا مضمون بیان ہو رہا ہے اس کے ساتھ ایک ذاتی تعلق بن جاتا ہے یعنی آج کریم نام کی مسجد کا جو اللہ کے کریم نام کی طرف منسوب ہو رہی ہے اس کا افتتاح ہو رہا ہے۔ یہ جو ملک ہے اس کا حدود اربعہ یہ ہے کہ اس کے ایک طرف انڈونیشیا واقع ہے اور تھائی لینڈ اس کے قریب ہے آسٹریلیا اس کے جنوب میں ہے۔ آسٹریلیا کے شمال سے قریب ہے یہ جزیرہ بلکہ بہت سے سینکڑوں جزائر پر مشتمل ایک ملک ہے اور مشرق میں ملائشیا ہے اور ملائشیا بھی بہت سے جزائر پر مشتمل ہے۔ اس جزیرے میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے فضل سے 1987ء میں جماعت کا قیام عمل میں آیا پھر غلطی سے جزیرہ کہہ دیا ہے جزائر پر مشتمل اس ملک میں سب سے پہلے 1987ء میں جماعت کا قیام عمل میں آیا، جو ایک رضا کار مخلص واقف کے ذریعے ہوا یعنی محمد اکرم صاحب احمدی۔ ان کو یونائیٹڈ نیشنز کے ذریعہ وہاں کام ملا تھا اور مجھ سے مل کر یہ عہد کر کے گئے تھے کہ وہاں ضرور جماعت کو قائم کریں گے۔ اگر چہ وہاں رہنے کے حالات بہت ہی مشکل تھے لیکن خالصۃً اس نیت کے ساتھ کہ جب تک جماعت قائم نہ ہو اور مسجد تعمیر نہ ہو جائے یہ وہاں سے نہیں آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جو Contracts کی مدت تھی وہ بھی بڑھا دی اور اب اللہ کے فضل کے ساتھ یہ سارے کام اب پایۂ تکمیل کو پہنچ چکے ہیں۔

اس مسجد کے آغاز کے لئے میں نے اپنا نمائندہ رفیق چانن صاحب کو بنایا ہے جو تھائی لینڈ سے وہاں پہنچے ہیں۔ رفیق چانن صاحب ہمارے Swiss احمدی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ان کو اپنی زندگی کے اس دور میں بہت تاریخی خدمات کی توفیق مل رہی ہے۔ تھائی لینڈ میں بھی اور اردگرد کے علاقوں میں بھی ایسے ملکوں میں جہاں احمدیت کا نام تک لوگ نہیں جانتے تھے وہاں ان کو خدا کے فضل کے ساتھ انڈونیشیا کے مبلغین اور دوسرے رضا کاروں کی مدد سے جماعتیں قائم کرنے کی توفیق مل گئی ہے اور بہت ٹھوس کام اس علاقے میں ہو رہا ہے۔ اس لئے میں نے ان کو اپنے نمائندے کے طور پر وہاں مسجد کے افتتاح کے لئے بھیجا ہے۔ اس کے علاوہ بھی انڈونیشا سے اور اردگرد کے ممالک سے بہت سے مخلصین شرکت کے لئے وہاں آج جمع ہوئے ہیں۔

یہ ایک ایسا ملک ہے جس پر عیسائیت کا بہت بھاری غلبہ ہے اور ایک عرصے تک عیسائیت

کے سوا کسی کو وہاں پیغام پہنچانے کی اجازت ہی نہیں تھی۔ جماعت احمدیہ کو بھی آغاز میں بہت دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ عیسائیوں نے کھل کر مخالفت کی۔ مسجد کی بھی مخالفت کی، ہر حکومت کی سطح پر بھی انہوں نے اثر ورسوخ ڈالنے کی کوشش کی۔ کھل کر اخباروں میں عیسائی پادریوں نے مضمون لکھے کہ عیسائیت کے سوا اس ملک میں کسی اور کو تبلیغ کی اجازت نہیں ہونی چاہئے اور وہ پالیسی جو ساری دنیا میں عیسائی ملک پیش کرتے ہیں آزادئ ضمیر کی، جہاں موقع ملا وہاں خود اس پالیسی کو اپنے قدموں تلے کچل دیا اور کھلم کھلا مذہب کو اپنے نام منسوب کر کے اس کے تمام حقوق اپنی طرف وابستہ کر لئے۔ اس سلسلے میں ہمیں بڑی جدوجہد کرنی پڑی ہے۔ تمام دنیا سے ان کی ایمبیسیز کو اور ان کے ملک کو خطوط لکھوائے گئے، اخبارات میں بھی احتجاج کروائے گئے۔ ان اخبارات کو جو نسبتاً آزاد تھے مضامین لکھ کر بھیجے گئے۔ چنانچہ اللہ کے فضل سے ان کا مثبت اثر ظاہر ہوا اور حکومت نے یہ قطعی فیصلہ کر لیا جو سیاسی حقوق ہیں اور تمدنی حقوق ہیں ان پر ہم کسی قیمت پر مذہب کو اثر انداز نہیں ہونے دیں گے۔ یہاں تک کہ ان کے سب سے بڑے افسر نے جو عیسائیت سے متاثر تھا اور متعصب تھا اس نے جب حکومت کے سامنے اس مسجد کی منظوری کے آخری فیصلے سے پہلے ایک نوٹ لکھا، میمورنڈم جس کو کہتے ہیں، اس میں کہا کہ عیسائی چونکہ بہت مخالف ہیں اس لئے اس مسئلہ پر ہمیں ہر پہلو سے غور کرنے کے بعد پھر فیصلہ کرنا چاہئے۔ تو پرائم منسٹر صاحب نے اس پر جو مختصر جواب لکھا وہ یہ تھا کہ تم اپنے کام سے کام رکھو۔ حکومت کے قوانین کی پابندی کرنا تمہارا کام ہے۔ ان قوانین میں جہاں کہیں کوئی رخنہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے تمہارا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کرو لیکن ان قوانین سے ہٹ کر باہر کے معاملات کا تم سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر تم نے کام کرنا ہے تو قوانین کے مطابق کرو۔ یہ اتنا واضح جواب تھا کہ اس کے بعد پھر کسی کو جرأت نہیں ہوئی اور خدا کے فضل سے مسجد پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے، ساتھ مشن ہاؤس بھی بن گیا ہے۔

اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عجیب نشان بھی ظاہر ہوا، ہر جگہ نشانات عجیب ہی ہوتے ہیں مگر یہ واقعہ ہے اس کو ریکارڈ کرانے کے لئے اسی افتتاح کے موقع پر آپ سب کے سامنے رکھتا ہوں۔ عیسائیت نے جب اپنا زور مکمل کر لیا اور ناکام ہوگئی تو وہ چند مسلمان جو باہر سے آکر وہاں آباد ہوئے ہیں اور بعض امیر ملکوں سے ان کے تعلقات ہیں ان کو مدد بھی ملتی ہے، ان میں سے چند نے ایک سوسائٹی بنائی ہے اسلامک سوسائٹی۔ ان کا جو سرکردہ ممبر ہے انہوں نے اکرم احمدی صاحب

کو گالیوں سے بھرا ہوا خط لکھا اور انہوں نے کہا کہ کسی قیمت پر ہم یہاں یہ مسجد برداشت نہیں کریں گے یعنی چرچ ہر جگہ بنے ہوئے ہیں؛ پھیلتے چلے جارہے ہیں دور دراز جزائر میں بھی کلیسا تعمیر ہورہے ہیں ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی مگر پہلی مسجد جو تعمیر ہو رہی تھی اس پر ایسی آگ لگی کہ نہ صرف گالیوں کا خط لکھا بلکہ یہ دھمکی دی کہ میں اس مسجد کو آگ لگوادوں گا لیکن یہ مسجد ہم سے برداشت نہیں ہوسکتی۔ بعد میں انہوں نے مسجد کو نا کام کرنے کی خاطر اس کے قریب ہی اپنا گھر بنوایا اور وہاں ایک اپنی مسجد چھوٹی سی تعمیر کروائی، گویا کہ وہ پہلی مسجد بن گئی۔ حالانکہ یہ مسجد اس سے بہت پہلے بن چکی تھی اور انہوں نے محض ایک دکھاوے کے طور پر کہ نہیں ہم نے بھی الگ مسجد بنالی ہے۔ اس شخص کے کچھ دشمن بھی تھے۔ آپس میں مخالفتیں بھی تھیں۔ انہوں نے اس گھر کو مسجد سمیت آگ لگا دی۔ جو گھر اس آگ کے نتیجے میں بنایا گیا تھا جو اس کے دل میں بھڑکی ہوئی تھی۔ پس وہ شخص جس نے جماعت کی مسجد کو آگ لگانے کی دھمکی دی تھی اس کا گھر بھی جل گیا اور وہ مصنوعی دنیا کی خاطر بنائی ہوئی مسجد بھی جل گئی تو اللہ تعالیٰ کے نشانات ہر جگہ احمدیت کی تائید میں ظاہر ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہاں کی جماعت جو تمام تر عیسائیوں میں سے آئی ہے بہت ہی مخلص ہے اور شدید خطرناک حالات کے مقابلے میں ثابت قدم ہے۔ وہاں فاصلے بہت طویل ہیں۔ جزائر ہیں چونکہ پھیلے ہوئے ہیں اس لئے بہت فاصلوں کا مسئلہ ہے ایک دوسرے سے رابطہ کرنا۔ مجھے صحیح یاد نہیں کہ ہزار میل یا ڈیڑھ ہزار میل کا معاملہ ہے لیکن یہ مجھے خطوں سے اندازہ ہے کہ کافی فاصلے ہیں اور سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ سڑکوں کا نظام کوئی نہیں۔ سڑکیں بہت کم ہیں اور جنگل اتنے خطرناک ہیں کہ ان کو عبور کرنا ان کے لوکل باشندوں کے لئے بھی آسان نہیں ہے۔ چنانچہ اکثر جگہ روابط ہوائی جہاز کے یا ہیلی کاپٹر کے ذریعے ہوتے ہیں یا پھر وہ جنگلی لوگوں نے اپنے کچھ رستے بنا رکھے ہیں وہ ان میں سفر کرتے ہیں۔ کہیں کوئی قتل ہو جائے، کسی کے گھر جلا دیئے جائیں حکومت کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی اس لئے مقامی لوگ جب کسی کی مخالفت کریں تو اس کا سامنا کرنا آسان کام نہیں ہے، کوئی قانون کا ہاتھ آپ کی حفاظت کے لئے وہاں نہیں پہنچتا۔ ایسے علاقوں میں جہاں احمدی ہوئے ان کو یہی دھمکیاں دی گئیں کہ تمہارے گھر جلائے جائیں گے اور بڑی شدید مخالفت کا سامنا ان کو کرنا پڑا۔ یہ اللہ کے فضل سے ایک بھی مرتد نہیں ہوا۔ ثابت قدم رہے اور ساتھ اس کے

علاوہ پھیلتے بھی رہے چنانچہ اب ایسی فضا پیدا ہوگئی ہے کہ احمدیت کو اسلام کی نمائندگی میں ایک مستقل مقام مل چکا ہے۔ پس اللہ کے فضل سے یہ ہمارے جو رضا کار واقفین زندگی ہیں انہوں نے بھی بڑے بڑے کارنامے اس دور میں سرانجام دیئے ہیں اللہ ان سب کا حامی و ناصر ہو، ان کے کاموں میں برکت دے اور بہت تیزی کے ساتھ ہم وہاں عیسائیوں کو مسلمان بنانے میں کامیاب ہو جائیں۔ یہ دعا ہے اس کے ساتھ میں آپ سب کی طرف سے اور اپنی طرف سے حاضرینِ اجلاس کو محبت بھرا اسلام پہنچاتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ دنیا بھر کے احمدیوں کی دعائیں بھی اور ہر ایسی صورت میں کہ ان کو مدد کی ضرورت ہو ان کی مدد بھی انشاء اللہ آپ کے شاملِ حال رہے گی۔ یہ آیت کریمہ جو میں نے پڑھی تھی اس کا تشریح والا ترجمہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں یہ ہے کہ

”خدا کے تمام کامل نام اسی سے مخصوص ہیں اور ان میں شرکت غیر کی جائز نہیں۔ سو خدا کو انہی ناموں سے پکارو جو بلاشرکتِ غیرے ہیں یعنی نہ مخلوقات ارضی وسماوی کے نام خدا کے لئے وضع کرو اور نہ خدا کے نام مخلوق چیزوں پر اطلاق کرو اور ان لوگوں سے جدا رہو جو خدا کے ناموں میں شرکتِ غیر جائز رکھتے ہیں۔ يُلْحِدُونَ فِيٓ اَسْمَآئِهٖ کا ترجمہ یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ لوگ جو خدا کے ناموں میں شرکتِ غیر جائز رکھتے ہیں عنقریب وہ اپنے کاموں کا بدلہ پائیں گے“ (براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ: 436، 437)

یہ جو اقتباس ہے یہ اس مسئلے کو سمجھنے میں مزید ممد ہے جس کا ذکر میں نے پچھلے خطبے میں کیا تھا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک اللہ کا نام مشتق نہیں ہے یعنی کسی اور نام سے نہیں نکلا بلکہ ہمیشہ سے یہی نام اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس کا اگلا قدم یہ ہے کہ اس کی تمام صفات بھی ہمیشہ سے اسی کی ہیں اور وہ خود مشتق نہیں ہے۔ یہ ایک بہت ہی عظیم الشان انکشاف ہے اور اس کی روشنی میں جب ہم حقیقت پر غور کرتے ہیں اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں اس مضمون کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو ایک نئے رنگ میں یہ مضمون ہمارے سامنے ابھرتا اور روشن ہوتا ہے۔

اول بات تو یہ ہے کہ اللہ اگر ہمیشہ سے ایک نام ہے اور کسی اور نام سے نہیں نکلا ہوا تو اس کی صفات اگر دوسرے مخلوق ناموں سے نکلی ہوں تو کیا وہ بعد میں جمع ہوئیں۔ اس لئے حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک ایسا طبعی منطقی نتیجہ نکالا ہے جس کا متبادل ممکن ہی نہیں کیونکہ نام کسی چیز کا ہے کسی وجود کا ہے اور وجود اپنی صفات سے پہچانا جاتا ہے۔ اگر وجود کی صفات نہ ہوں تو نام بے معنی ہے۔ نام ایک خلائی نام ہے اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ اگر وہ وجود کوئی صفات رکھتا ہے اور وجود دائمی ہے تو وہ صفات بھی دائمی ہونا ضروری ہیں اور ان کو حرفوں سے، لفظوں سے، مشتق قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ہاں وہ صفات جو انسانی زندگی میں ہمیں انسانوں پر یا دوسری چیزوں پر اطلاق پاتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں ان کو خدا کے ناموں سے مشتق سمجھنا پڑے گا یعنی دائمی حقیقت صفات باری تعالیٰ کی ہے اس سے ملتے جلتے نام جب روزمرہ زندگی میں استعمال ہوتے ہیں تو وہ تخلیق ہیں، نام اور تخلیق ہیں خدا کے اسماء کے پرتو کے طور پر۔

پس یُلۡحِدُوۡنَ کا مطلب یہ بنے گا کہ وہ لوگ جو اللہ کے اسماء کا بذاتہٖ اپنی ذات میں متصف ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم رحمان ہیں، ہم رحیم ہیں۔ وہ الحاد کرنے والے ہیں، وہ مشرک ہیں اور خدا کا شریک ٹھہرانے کا اِدّعا کرتے ہیں یا کوشش کرتے ہیں۔ اس ضمن میں جب ہم اس مضمون کو اس ابتدائی شکل میں ذہن میں جمالیں تو پھر سورہ اخلاص ایک اور معنوں میں ہمارے سامنے ابھرتی ہے۔ قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ﴿۲﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ﴿۳﴾ لَمۡ يَلِدۡ ۙ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ۙ﴿۴﴾ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۵﴾ (الاخلاص 5-1)

اللہ اگر اسماء کے مجموعے کا نام ہے جو اللہ کی طرف بطور صفات منسوب ہوتے ہیں تو اللہ پیدا نہیں ہوا تو کوئی ایک اسم یا ایک صفت بھی پیدا نہیں ہوسکتی۔ اگر اللہ نے پیدا نہیں کیا تو وہ اپنی اس صفت کو جو اس کی ذات کا خاصہ ہے اس کو اس طرح پیدا نہیں کرتا جس طرح باپ بچے کو پیدا کرتا ہے یا ماں بچے کو پیدا کرتی ہے۔ اس کے پرتو تخلیق کرتا ہے اور اس مضمون کو آخری آیت خوب کھول دیتی ہے۔ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ یعنی اس کا کوئی بھی کفو کسی لحاظ سے موجود نہیں اور کفو ہونے کے لئے صفات کا اشتراک ضروری ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کی صفات کا حامل دوسرا وجود پیدا نہ کرنا قطعی طور پر یہ ثابت کرتا ہے کہ تمام صفات الٰہی خدا تعالیٰ کی ذات کی طرح نہ صرف یہ کہ قدیم سے ہیں بلکہ ان صفات کا بعینہٖ ان پر مشتمل کوئی وجود اللہ تعالیٰ ایسا پیدا نہیں کرتا جیسے ماں کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوتا ہے اور وہ ساری صفات کو اپنے اندر لئے ہوئے پیدا ہوتا ہے۔ باپ کا نطفہ ماں کے پیٹ میں بچہ بنانے میں مد ہوتا ہے اور

باپ کی صفات کے تمام نقوش اس پر مرتسم ہوتے ہیں اور ان نقوش کو لے کر بچہ انہی صفات کے ساتھ آگے بڑھتا ہے۔ تو زندگی کی بنیادی صفات جو زندگی کے مختلف خلیوں میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نقش ہیں وہ آگے بڑھتی ہیں مگر خدا کے وجود میں اس قسم کا اضافہ ممکن نہیں ہے۔

اب یہ پہلو سمجھنے کے بعد سوال یہ ہے کہ ''رحمٰن'' کیا چیز ہے۔ کیا لفظ رحمٰن مشتق ہے کہ نہیں۔ عربی دان، گرامر کے ماہر کہتے ہیں لفظ رحم سے مشتق ہے اور رحم وہ مادہ ہے جس سے لفظ رحمٰن بھی مشتق ہے اور عورت کے بدن کا وہ جزو جس میں بچہ پیدا ہوتا ہے بچہ دانی یا یوٹرس، اس کا نام رحم ہے وہ بھی رحم سے مشتق ہے اور اگر اس مضمون کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر آگے تمام صفات باری تعالیٰ انسانی زبانوں میں استعمال ہونے والے الفاظ سے مشتق معلوم ہوں گی یعنی ان سے نکلی ہوئی ہیں۔ تو سورہ اخلاص کا یہ دعویٰ کہ تمام صفات باری تعالیٰ ازل سے اسی طرح ہیں اور ایک بھی صفت کسی انسان کی بنائی ہوئی زبان سے مشتق نہیں ہے۔ یہ غلط ثابت ہوتا ہے۔ اس پہلو سے میں نے آنحضرت ﷺ کے ارشادات کا مطالعہ کیا کیونکہ مجھے یاد تھا کہ رحمٰن کا تعلق رحم سے جوڑا گیا ہے اس لئے یہ کیسے جوڑا گیا۔ یہ مسئلہ تھا جس کو حل کرنے کے لئے میں نے متعلقہ حدیثیں نکلوائیں تو آپ بھی دیکھیں تو آپ ورطۂ حیرت میں ڈوب جائیں گے کہ آنحضرت ﷺ نے اس مضمون کو کن الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

حضرت ابوالدرداء بیمار ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ان کی عیادت کی اور فرمایا کہ میرے علم کے مطابق ان میں سے سب سے بہتر اور زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ابو محمد ہیں پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں اور میں رحمٰن ہوں اور میں نے رحم کو پیدا کیا ہے، اسے اپنے اسم سے پھاڑا ہے یعنی رحم کسی لفظ رحمت سے نہیں نکلا بلکہ رحمٰن خدا سے رحم نکلا ہے اور کن معنوں میں نکلا ہے اس کا میں ابھی ذکر کرتا ہوں۔ جو لفظ ترجمہ کیا گیا ہے ''پھاڑا''۔ ''**شققت لها من اسمی**'' میں نے اپنے نام سے اس کو پھاڑا۔ اس سے یہ غلط تصور بھی پیدا ہو سکتا ہے بعض لوگوں کے دماغ میں کہ گویا اس صفت الٰہی نے بچہ دیا اور اس سے پھٹ کر ایک اور صفت پیدا ہوئی۔

دوسری حدیث میں آنحضرت ﷺ اس مضمون کو کچھ مختلف الفاظ میں بیان فرماتے ہیں یا راوی نے جس نے یہی مضمون آنحضرت ﷺ کو بیان کرتے ہوئے سنا تھا اس نے دوسرے الفاظ

استعمال کئے ہیں اور وہ مضمون کو سمجھانے کے لئے زیادہ قریب ہیں۔

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ رحم رحمٰن سے جوڑا ہوا ہے۔(یعنی رحم اور رحمان کا مادہ ایک ہی ہے) یہ ترجمہ کرنے والے نے اپنی طرف سے لکھ دیا ہے حالانکہ اس کا کوئی ذکر وہاں حدیث میں نہیں ملتا۔اس لئے جہاں جہاں بھی ہماری کتابوں میں مادہ ایک ہے دونوں سے رحمٰن نکلا ہے یہ الفاظ موجود رہے ہیں پائے جاتے ہیں اور اس کی وجہ سے کئی دفعہ لوگوں کو غلطی بھی لگ جاتی ہے ان کو درستی کرنی چاہئے اسی غلطی کی وجہ سے جو ترجمے میں پائی جاتی تھی کئی دفعہ میں نے بھی پرانے کسی مضمون کے سلسلے میں یہ ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رحمٰن اور رحم کا مادہ ایک ہی ہے، دونوں ایک ہی مادے سے نکلے ہیں مگر جب میں نے تحقیق کی تو قطعی طور پر ثابت ہوا کہ ایسا کوئی ذکر احادیث میں موجود نہیں ہے، ترجمہ کرنے والوں کی غلطی ہے۔

یہاں جو الفاظ ہیں وہ یہ ہیں’’ **ان الرحم شجنته من الرحمن** ، رحمٰن کی شاخ ہے اصل رحمٰن ہے اور رحمٰن کی ایک شاخ ہے۔ **فقال الله من وصلک وصلته و من قطعک قطعته**‘‘، یعنی رحم رحمٰن کی شاخ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ رحم اپنی تمام صفات اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت سے پاتا ہے مگر تمام تر نہیں۔شاخ ،اصل وجود کا متقابل یا متبادل نہیں ہوا کرتی ۔شاخ کا دراصل یہ مفہوم ہے ۔ یہاں کسی خاص درخت کی بات تو نہیں ہو رہی ۔ایک تمثیلی کلام ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اصل وجود ہے، اللہ کی ہر صفت اصل ہے اور باقی تمام صفات جزوی ہیں جو تمام صفات میں ام الصفات کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے ان تمام صفات میں اتنی اہم صفت کے ساتھ کیا آپ اپنا تعلق کاٹنے کے سامان اپنے ہاتھوں سے تو نہیں کر رہے ۔اگر کر رہے ہیں اور چوبیس گھنٹے رحمٰن، رحمٰن، کی رٹ لگائے رکھتے ہیں تو کسی بے وقوف صوفی کے نزدیک تو ہوسکتا ہے آپ ذکر الٰہی میں مشغول ہوں مگر درحقیقت اگر اسماء کے مضمون کو سمجھیں تو ذکر الٰہی سے اس رٹ کا کوئی دور کا بھی تعلق نہیں جس کا اثر آپ کی ذات میں ظاہر نہیں ہوتا اور آپ اس صفت کے قریب تر نہیں ہوتے چلے جاتے اور یہ پہلو ہے جس کے لحاظ سے جماعت میں ابھی تک بہت سی کمزوریاں ملتی ہیں اور میں خصوصیت سے ان کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

رحم کے رشتے ایک موقع تک تو ایک رستے پر چلتے ہیں پھر آگے جا کر ان کا جوڑ دوسرے

رستوں سے ہو جاتا ہے اور پھر دو شاخہ بن کے آگے بڑھتے ہیں لیکن ان کا ایک دوسرے سے مسلسل رابطہ رہنا چاہئے گویا رحم کے نئے تقاضے جو ہیں ان کو بھی انسان ہمیشہ پورا کرتا رہے۔ یہ جو دو شاخہ بنتا ہے یہ شادی کے نتیجے میں ہوتا ہے۔ شادی سے پہلے ایک لڑکی اپنے گھر میں اپنی ماں کے حقوق ادا کر رہی ہے اور رحم کے تعلق سے اس کا اپنے ماں باپ سے بھی تعلق قائم ہوتا ہے اور رحمی تعلق سے مراد صرف ماں کا رشتہ نہیں بلکہ باپ کا رشتہ بھی ہے، احادیث سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے۔ پس رحم کے ذریعے اس کا تعلق اپنے باپ سے ہے، اپنی ماں سے ہے، اپنے بھائیوں سے ہے، اپنی بہنوں سے ہے، اپنی پھوپھیوں سے ہے، اپنے چچاؤں سے ہے، اپنے ماموں سے ہے، یہ سارے رشتے اس کے چل رہے ہیں اور ان سب رشتوں کے حقوق ادا کرنا رحمان سے اپنے تعلق کو مضبوط کرنے کے مترادف ہے۔ جہاں آپ نے ان حقوق کو نظر انداز کیا، ان سے بے اعتنائی کی اور گستاخانہ رویہ اختیار کر کے آپ نے اپنے تعلق کو ان رشتوں سے کاٹا۔ آپ کو خدا نے بہتر توفیق دی ہے، ان میں سے کچھ غریب ہیں، کچھ کمزور ہیں، کچھ بے حیثیت ہیں، ان سے آپ نے کسی معنے میں بھی تکبر کا رویہ اختیار کیا تو یہ ساری وہ باتیں ہیں جو رحمان خدا سے آپ کا تعلق کاٹنے والی ہیں۔ یہ معنی ہیں شاخ کے۔ یہ رحمان سے ہر صفت رحم کی نکلی ہے اور اس کا دنیا میں سب سے اہم مظہر رحم مادر ہے جس سے آگے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ پس خدا کے رحمان نام سے خود کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا مگر وہ صفت رحمانیت پر تو کرتی ہے، اپنا پرتو ڈالتی ہے اور ایک رحمان سے مشابہ وجود یعنی ماں پیدا ہو جاتی ہے۔ تو اس کے رحم سے جو تعلق کاٹتا ہے گویا وہ خدا سے تعلق کاٹ لیتا ہے۔ یہ ایک مضمون ہے جو ایک سیدھے رستے پر رواں ہے اس میں کوئی اشتباہ نہیں۔ آگے جا کر اس لڑکے یا اس لڑکی کی شادی ہو جاتی ہے۔ اگر لڑکے کی شادی ہوئی ہے تو ایک بیوی جو کسی کی بیٹی ہے اس کے گھر میں آتی ہے اور وہ بیوی اپنے سارے رحمی رشتوں کو ساتھ لے کر آتی ہے ان کو چھوڑ کر نہیں آتی اور یہاں دو رحموں کے پیوست ہو جاتے ہیں۔ ایک لڑکے کے ماں باپ کے رحمی تعلقات دوسرے لڑکی کے ماں باپ کے رحمی تعلقات اور وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ Bondage اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ذمہ داریاں دگنی ہو جاتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی وہ آیات آنحضرت ﷺ نے اختیار فرمائیں جہاں خصوصیت سے رحمی رشتے کا بھی ذکر ہے اور تقویٰ کی تکرار موجود ہے چار آیتوں میں سے دو ایسی ہیں جن میں دو

دفعہ تقویٰ، تقویٰ کا ذکر ملتا ہے۔ اب دو دفعہ تقویٰ اس لئے بھی کہا ہے کہ اس مضمون پر زور دیا جائے اور توجہ دلائی جائے کہ بہت تقویٰ کی ضرورت ہے، رشتے بن رہے ہیں اور کئی قسم کے خطرات بھی رشتوں کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں جیسا کہ قطع رحمی کا ایک خطرہ ہے۔ اس لئے وہ آیتیں اختیار فرمائی گئی ہیں جن میں دُہرا دُہرا تقویٰ کا ذکر ہے مگر ایک اور مضمون بھی ہے کہ چونکہ دو رشتے ہیں، دو رحم مل رہے ہیں، دو رحمی سلسلے مل رہے ہیں، اس لئے جیسے یوں کہا جائے کہ دیکھو تم بھی تقویٰ اختیار کرو، تم بھی تقویٰ اختیار کرو، تم بھی تقویٰ اختیار کرو، تم بھی تقویٰ اختیار کرو، تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ تکرار ان دونوں کو خصوصیت سے مخاطب کرنے کے لئے کی گئی ہے اور دونوں تقویٰ دونوں میں سے ہر ایک پر چسپاں ہوتے ہیں یعنی یہ مطلب نہیں کہ ایک کو ایک دفعہ تقویٰ کہہ دیا تو دوسری طرف منہ موڑا اور اس کو تقویٰ کہہ دیا۔ تو دو الگ الگ تقووں کے مضمون، دو الگ الگ فریقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

مراد یہ ہے کہ اس میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ جہاں دو وجود آپس میں پیوست ہوں اور رحمی رشتے خصوصیت کے ساتھ ایک رستے میں اکٹھے کر دیئے جائیں تو وہاں تقویٰ کی دوہری ضرورت پیش آتی ہے اور دونوں کیلئے لازم ہے کہ وہ تقویٰ سے کام لیں لیکن بدقسمتی سے جو جماعت میں خاندانی جھگڑے ملتے ہیں بہو اور ساس کے ہوں یا خسر اور بہو کے ہوں یا داماد اور ساس کے ہوں اور داماد اور خسر کے ہوں ان میں ہر جگہ جب آپ تفصیل سے نظر ڈالتے ہیں تو اس اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے کسی نہ کسی رنگ میں روگردانی نظر آئے گی۔ مشکل یہ ہے کہ اگر آپ ایک کو سمجھائیں کہ دیکھو یہ بہت ہی اہم مضمون ہے۔ رحمی رشتہ کی اتنی اہمیت قرآن کریم کے نزدیک ہے کہ آنحضرت ﷺ رحمی رشتوں کی اس اہمیت کو قرآن سے یوں سمجھتے ہیں کہ جس نے رحم مادر سے تعلق کاٹ لیا یعنی رحمی رشتوں سے تعلق کاٹا خدا فرماتا ہے کہ میں اس کے ساتھ اپنا تعلق کاٹ لوں گا اور میری رحمانیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

اب امر واقعہ یہ ہے کہ رحمانیت کا پرتو اگر اٹھتا ہے تو کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ ہر پہلو سے ناکامی اور نامرادی ہے کیونکہ اللہ کے بعد اگر کوئی صفت دوسرے تمام اسماء پر حاوی ہے تو رحمانیت ہے۔ اللہ پر کوئی صفت حاوی نہیں ان سب صفات کا مجموعہ اللہ ہے لیکن آپس کے تعلقات میں بعض صفات زیادہ وسیع الاثر ہیں بعض نسبتاً کم دائروں میں اثر انداز ہیں اور رحمانیت اس لحاظ سے سب سے وسیع الاثر ہے۔ تو جس نے رحمانیت سے تعلق کاٹ لیا اس کا تو کچھ بھی باقی نہ رہا اور رحمانیت سے تعلق

کاٹنے کے بعد بخشش کا مضمون خود بخود غائب ہو جاتا ہے۔ پھر نہ بخشش مانگنے کا کوئی سوال باقی رہتا ہے، نہ بخشش عطا کرنے کا کوئی سوال باقی رہ جاتا ہے کیونکہ سب سے زیادہ مغفرت کا تعلق رحمانیت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نظر انداز فرما دیتا ہے کہتا ہے کوئی بات نہیں۔ خدا کی رحمانیت گناہوں کو گویا ڈھانپتی ہے اور اسی سے استغفار کا مضمون پیدا ہوتا ہے۔ تو اتنا بڑا گناہ ہے اور اس کی اہمیت کوئی نہیں۔ جب پوچھا جائے تو کہتے ہیں اس کا قصور ہے، اس نے کاٹا ہے۔ اگر کہا جائے اس سے کہ تم بتاؤ وہ کہتے ہیں جی اس نے کاٹا ہے، ہمارا تو کوئی قصور نہیں لیکن تعلق کٹ گیا یہ پکی بات ہے اور یہ کہنا کہ اس نے کاٹا ہے یہ اس لئے غلط ہے کہ وہ جو تکرار تقوی کی ہے جس کا ذکر میں نے کیا ہے وہ بتاتی ہے کہ عموماً دوطرفہ نقائص ہی ہوتے ہیں، یکطرفہ نہیں ہوا کرتے۔ ایک شخص نے تقویٰ سے تجاوز کیا اور رحمی رشتوں کو حقیر سمجھا، کوئی طعن و تشنیع کی بات کر دی جو دونوں طرف سے ممکن ہے تو اس کے نتیجے میں جو تعلق پر اثر پڑتا ہے وہ دوطرفہ اس طرح ہے کہ سننے والے کو بھی اگر رحمی رشتے کی اہمیت کا احساس ہو وہ صبر سے کام لے اور عفو سے کام لے تو پھر بھی یہ تعلق قائم رہ جاتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ مزاجوں میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے، سخت دل نرم ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور تعلقات دن بدن بہتر سے بہتر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ بڑے بڑے تعلیم یافتہ، بہت بڑے دینی ذوق اور علم رکھنے والے بھی اس بات سے ناآشنا ہیں۔ کسی کی بیٹی اپنے گھر آتی ہے اور یہ ضد ہے، انانیت بن گئی ہے کہ جب تک یہ پوری طرح ناک میں نکیل ڈلوا کر ہماری خدمت نہیں کرتی اور ہماری ہر بات، ہر مزاج کے مطابق کام نہیں کرتی ہمیں اس کی کوئی بھی پرواہ نہیں اور اگر وہ بے چاری روتی پیٹتی گھر چلی جائے تو یہ انانیت کے خلاف ہے کہ اسے واپس لایا جائے۔ وہ ذلیل اور رسوا ہو کر، فقیرنی بن کر گھر پہنچے تو ہم قبول کریں گے اور پھر جب پوچھا جائے کہ یہ کیا ہو رہا ہے تو کہتے ہیں، ان کا قصور ہے۔ ان کا قصور ہے تو تمہیں یہ بھی تو خیال چاہئے تھا کہ ہر شخص کی ایک عزت نفس ہے اگر رحمان خدا سے تعلق قائم کرنے کی خاطر تم اپنے فرضی مقام عزت سے نیچے اتر آؤ تو اس کا کوئی نقصان نہیں ہے لیکن رحمان خدا سے تمہارا تعلق ضرور قائم ہو جائے گا اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو پھر یہ سوچو کہ رحمان کو تمہاری خاطر نیچے اترنے کی کیا ضرورت ہے؟ تمہارا مقامِ عزت تو ایک فرضی مقام ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور تمہارا یہ فیصلہ کہ دوسرے کا قصور ہے یہ بھی ایک تحقیق طلب امر ہے اگر تحقیق نہیں کر سکے تو اللہ کے نزدیک

تو بات واضح ہے اس لئے اپنی غلطی کے احتمال کو کالعدم سمجھنا اور یہ حتمی فیصلہ دے دینا کیونکہ ہمارا ہاتھ اوپر کا ہاتھ اور زبردستی کا ہاتھ ہے اس لئے ہم جس میں جو کیڑے ڈالیں گے اس کو قبول کرنے پڑیں گے یہ بھی ایک تکبر کا انداز ہے اور اس کے بعد یہ ضد کہ دوسرا خاندان ذلیل اور رسوا ہو کر، نیچے گر کر ہم سے ملے تو ہم تعلق قائم کریں گے ورنہ نہیں۔ یہ کرنے کے بعد پھر رحمان سے دعائیں! اے اللہ رحم فرما اس مشکل میں ہم پڑ گئے ،اس مصیبت میں مبتلا ہو گئے ،فلاں فلاں مصائب سے نجات بخش ، یہ سارے فرضی قصے ہیں۔

پس صفات باری تعالیٰ کے مضمون کو سمجھنا یا اسماء باری تعالی کے مضمون کو سمجھنا اس لئے ضروری ہے جو میں اس پر زور دے رہا ہوں کہ یہ محض ایک صوفیاء کی زبان کی یا ان کے ہونٹوں کی رٹ نہیں ہے۔ اسماء باری تعالیٰ کا ہر مخلوق سے ایک تعلق ہے اور انسان سے تمام اسماء کا تعلق ہے۔ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرہ:32) ہم نے آدم کو تمام اسماء بتا دیئے۔ اگر ان تمام اسماء کا آدم سے تعلق نہیں تھا تو یہ مضمون بے معنی ہو جاتا ہے اور یہ اسماء جو خصوصیت سے صفات باری تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں یہ تمام تر محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی کو نہیں بتائے گئے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا معاشرہ اور انسانی صفات ایک لمبے عرصے تک ترقی کر کے ارتقاء کے دور سے گزرتے ہوئے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اس مرتبے تک جا پہنچیں کہ ان تمام صفات میں اللہ کے اسماء کی جلوہ گری ہو سکے۔ اگر اس سے پہلے ان تمام صفات میں جلوہ گری ممکن ہوتی اور پھر بھی خدا تمام صفات کا علم اس زمانے کے آدم کو نہ دیتا تو یہ ناانصافی تھی ،اس لئے یہ نتیجہ نکالنا لازماً درست ہے، اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں کہ انسان کی وہ تمام صفات جن کی پرورش کی گئی ہے جن کی ربوبیت کی گئی ہے وہ خدا کی صفات سے تعلق قائم کرنے کی خاطر کی گئی ہے اور ان صفات میں سب سے اہم اور سب سے بالا اور سب سے مقدم رحمانیت ہے۔

پس سورہ فاتحہ کو جب پھر پڑھ کر دیکھیں تو آپ کو مضمون کی سمجھ آ جائے گی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۲﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ﴿۳﴾ ربوبیت کا مقصد کیا ہے تمام جہانوں کا رب ہے لیکن ربوبیت تمام جہانوں کو کہاں لے جا رہی ہے رحمان کی طرف۔ وہ رحمان جو رحیم بھی ہے اور مالک یوم الدین بھی ہے۔ اب اس وقت نہ وقت ہے نہ اس مضمون سے براہ راست یہ تعلق ہے کہ سورہ فاتحہ کی

ان تمام صفات کا تفصیل سے ذکر کروں، ایک دوسرے سے تعلق بیان کروں اور پھر اس سے آگے صفات باری تعالیٰ کس طرح شاخ در شاخ پھوٹتی ہیں ان کا ذکر کروں، یہ اللہ تعالیٰ توفیق دے گا مختلف وقتوں میں پہلے بھی میں بیان کرتا رہا ہوں آئندہ بھی انشاء اللہ حسب توفیق بیان کرتا رہوں گا لیکن جو بات میں آج بیان کر رہا ہوں وہ رحمانیت کے تعلق میں آپ کو ذمہ داریاں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں اور یہ سمجھانے کے بعد کہ رحمان لفظ کسی اور لفظ سے مشتق نہیں ہے، کسی اور لفظ کا مرہون منت نہیں ہے جو انسان اپنی صفات کے بیان کے لئے گھڑتا ہے اور ڈھالتا ہے۔ اس سے ملتے جلتے لفظ جو اسماءِ باری تعالیٰ کے لئے ہمیشہ سے ہیں وہ انسان نے ان صفات سے اخذ کئے ہیں جو خدا نے انسان میں پیدا کر رکھی تھیں اور وہ صفات مخلوق ہیں۔ خدا کی صفات کے بچے نہیں ہیں کیونکہ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ خدا کی کوئی صفت بھی براہ راست بچے نہیں دیتی بعینہٖ ویسا وجود پیدا نہیں کرتی اور اگر کوئی یہ سمجھے کہ بعینہٖ ویسا وجود پیدا کرتی ہے تو اللہ کے اسماء میں الحاد کرنے والا ہے۔

اس لئے اس بات کو پیش نظر رکھ کر آپ خود اب اچھی طرح سمجھ لیں کہ رحمان بھی کسی انسانی لفظ سے یا زندگی کی صفات سے مشتق نہیں ہے۔ زندگی کی صفات اسی نام سے تخلیق پاتی ہیں اور ہر تخلیق کے پیچھے ایک صفت یا ایک سے زیادہ صفات، ایک اسم یا ایک سے زیادہ اسماء کارفرما ہوتے ہیں اور ان کے جلوے ان مخلوقات میں خصوصیت سے دکھائی دیتے ہیں۔ تمام مخلوقات میں یہی نظام کار فرما ہے۔ جو ابتداءِ آفرینش کے وقت پیدا ہونے والی مخلوقات تھیں ان میں ابھی صفات کا مضمون بننا شروع ہوا تھا۔ ابھی تخلیق کے ابتدائی مراحل میں تھا اس لئے ان کی تخلیق کے وقت خدا تعالیٰ کی تمام صفات نے بروقت جلوہ نہیں دکھایا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ، وقت کے تقاضوں کے مطابق صفات باری تعالیٰ ایک سے بعد دوسری تخلیق کرتی رہیں اور اعلیٰ درجے کی تخلیق پر خدا کی زیادہ اسماء کی جھلک ہے۔ ادنیٰ درجہ کی تخلیق میں نسبتاً کم اسماء کی جھلک ہے مگر خدا کے اسماء کی جھلک کے بغیر کوئی مخلوق نہیں ہے۔

یہ مضمون کامل ہوا انسان پر جا کر یعنی انسان میں ان صفات کا نچوڑ رکھ دیا گیا۔ ان صفات کے پرتو کا نچوڑ کہنا چاہئے۔ ان صفات کا جو عکس پڑتا ہے، جو تخلیق ہوتی ہے ان صفات کے اثر سے، ان تمام صفات کا کچھ نہ کچھ مادہ انسان میں رکھ دیا گیا۔ پس یہ مضمون کہ اللہ نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا اس کے دو پہلو ہیں ایک تو یہ کہ خدا نے جو فطرت بنائی ہے یعنی قوانین بنائے ہیں، ہر چیز بنائی

ہے اس کے مطابق ہی انسان کو پیدا کیا ہے۔ دوسرا یہ کہ خدا کی صفاتِ باری تعالیٰ نے اپنا جلوہ انسان میں ان سب مخلوقات سے زیادہ دکھایا ہے جو غیر انسانی مخلوقات ہیں اور اس پہلو سے خدا کے اسماء کی ایک ہلکی سی تصویر انسان کے کردار میں رکھی گئی ہے۔ یہ تصویر جب کامل ہوئی ہے تو اس کا نام خلیفۃ اللہ رکھا گیا اور خلیفۃ اللہ خود سب سے زیادہ صفت رحمانیت کا مظہر تھا۔ اس لئے اس کی صفات کا خلاصہ یہ بیان فرمایا گیا کہ تو رحمۃ العالمین ہے۔ اَلرَّحْمٰنِ کے ساتھ یہ تعلق بنتا ہے آنحضرت ﷺ کا اور تمام مخلوق کا۔

اب میں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ یہ نکتہ سمجھنے کے بعد اگر یہ خیال ہو کہ رحمان سے تو تعلق کٹ گیا محمد رسول اللہ ﷺ سے تعلق قائم رہے گا تو بالکل جھوٹ ہے۔ اگر رحم سے تعلق کاٹنے کے نتیجہ میں رحمانیت سے تعلق کاٹا جاتا ہے تو جو رحمانیت کا مظہر وجود ہے اس سے بھی لازماً کلیۃً تعلق کٹ جاتا ہے اور ایک فرضی اسلام کے اندر ایک ایسا انسان زندگی بسر کرتا ہے جس کو پتا ہی نہیں کہ اس کے اسلام کی کوئی بھی حقیقت نہیں ہے۔ وہ ہر نماز کی ہر رکعت میں خدا کو رحمٰن کہہ کر مخاطب کرتا ہے اور پھر بعد میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اے رب! اے رحمٰن! اے رحیم! اے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ! صرف تجھ سے مانگتا ہوں اور کسی سے نہیں مانگتا۔ تجھ سے ہی مانگوں گا اور کسی سے نہیں مانگوں گا، یہ اقرار کر رہا ہے اور اس کو پتا ہی نہیں کہ وہ تو اصل سے تعلق کاٹ بیٹھا ہے۔ اب مانگتے رہو کیونکہ اس طرف کوئی جواب دینے والا رحمٰن نہیں رہا۔ جس کو تم نے اپنی ذات سے کالعدم کر دیا وہ تمہارے لئے گویا کہ خود کالعدم ہو گیا اس کا کوئی وجود تمہارے لئے باقی نہیں رہا۔

تو دعاؤں کی قبولیت کے بھی راز ہوتے ہیں محض یہ کہہ دینا کہ جی ہم روتے روتے دعائیں کرتے ہیں، ہم تہجد بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں، چندے بھی دیتے ہیں، پھر بھی بعض دعائیں نہیں سنی جاتیں۔ مگر بعض دفعہ کیا ایسے لوگوں کی تو اکثر دعائیں نہیں سنی جاتیں۔ بعض دفعہ سنی جاتی ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے اس کا اور مضمون سے تعلق ہے وہ تو مضطر کی دعا مشرک کی بھی ہو تو سنی جاتی ہے۔ مضطر کی دعا جو بے قرار ہو جائے، حد سے زیادہ اس کی حالت زار ہو چکی ہو وہاں رحمانیت انسان کے تعلق کاٹنے کے باوجود خود اتر آتی ہے اور رحمانیت کی ایک عجیب شان ہے۔ عام روزمرہ کے دستور میں جن انسانوں نے اس سے تعلق کاٹ لیا جب اس کو ایسا بے سہارا دیکھتی ہے اس انسان کو

کہ اس کا کچھ بھی باقی نہیں رہا اور اس میں گریہ وزاری پیدا ہوئی ہے اور خدا کی طرف توجہ ہوئی ہے تو قرآن کریم فرماتا ہے کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ شخص پھر شرک کی طرف لوٹے گا پھر بھی اللہ کی رحمانیت آسمان سے اس کے لئے نیچے اترتی ہے اور اسے سنبھال لیتی ہے خواہ وقتی طور پر ہی سہی، یہ بالکل الگ مضمون ہے مگر روزمرہ کی زندگی میں ایک مسلمان نے اگر اللہ کی رحمانیت سے تعلق جوڑنا ہے تو صفتِ رحمانیت پر غور کرے اور رحمٰن خدا سے تعلق قائم رکھنے کے کیا کیا تقاضے ہیں؟

وہ صفت رحمانیت جو آپ کی ذات میں ودیعت فرمائی گئی ہے وہ فی ذاتہٖ اللہ کی صفت نہیں اللہ کی صفت کا ایک عکس ہے۔ پہلے تو یہ مضمون اچھی طرح سمجھنا چاہئے کہ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ کا مضمون تمام صفات باری تعالیٰ کو ہمیشہ کے لئے خالق تو مانتا ہے لیکن اپنے جیسا پیدا کرنے والا نہیں مانتا۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ورنہ اس جیسے کچھ اور بھی ہو جاتے۔ اس کے ہم مزاج، ہم خلق، اس جیسی صفات رکھنے والے اور بھی وجود پھر بہت کثرت سے ملتے۔ تو پہلے تو انکسار کا یہ مضمون سمجھنے کی ضرورت ہے آپ جتنا مرضی رحمٰن بننے کی کوشش کریں۔ رحمٰن اور ہے اور رحمٰن کا عکس اور ہے اور عکس، عکس میں فرق ہے۔ ایک جگہ عکس ایسا کامل ہو جاتا ہے کہ گویا وہی دکھائی دیتا ہے۔ جو اوپر ہے اور ذات کی میل کلیۃً مٹ جاتی ہے۔ یہ وہ مرتبہ ہے جو محمدیت کا مرتبہ ہے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے ایسا تعلق قائم کرنا کہ اپنی ذات کلیۃً مٹ جائے یہ احمدیت کی شان ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی شان میں وجود پذیر ہوئے ہیں۔ اسی شان کے اظہار کے لئے آپ کی تخلیق ہوئی ہے کہ جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ نے خدا کے حضور اپنے وجود کے ہر پہلو کو کلیۃً مٹا ڈالا۔ یہاں تک کہ آپ کے آئینے میں خدا کے سوا کچھ باقی نہ رہا جب یہ ہوا تو پھر آپؐ کو رحمۃ للعالمین قرار دیا گیا۔ رحمٰن نہیں ہے مگر رحمٰن کی رحمت کا جلوہ گر ہے اور جب حضرت مسیح موعود حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے وجود کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کیلئے اس طرح مٹا دیا جس طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے خدا کے لئے مٹا دیا تھا تو پھر وہ احمد پیدا ہوا ہے جسے غلام احمد کہنا چاہئے اور یہی نام رکھا گیا ہے یعنی احمد ہوتے ہوئے بھی غلامی کی وجہ سے احمد بنا۔ اس لئے خدا نے دیکھیں آپؑ کے نام میں کیسی پیاری حکمت رکھ دی اس کی تشکیل میں ہی آپؑ کی دونوں صفات موجود ہیں۔ احمد ہیں مگر غلام بن کر احمد ہیں۔ آزاد احمد نہیں ہیں اور احمد کی شان مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام

کی ذات میں اپنے وجود کو مٹانے سے جلوہ گر ہوئی ہے۔

وہ تمام صفات جو رحمانیت کے راہ میں روک بنتی ہیں وہ کثافتیں ہیں جن کے ہوتے ہوئے رحمانیت انسان کے وجود میں جلوہ گر نہیں ہوسکتی۔ وہ کون کون سی صفات ہیں جن کا رحمانیت سے تضاد ہے، یہ بھی ایک مضمون ہے۔ پہلے میں آپ کو یہ سمجھا رہا تھا کہ رحمانیت سے تعلق رکھنے والی وہ کون سی صفات ہیں جو مخلوق میں موجود تو ہیں لیکن انہیں صیقل کرنا، انہیں چمکانا انہیں ابھار کر اپنا کر اپنے وجود کا ایک جزو بنا لینا یعنی عمداً کوشش کرنے کے بعد ان صفات کے ساتھ جو وجود میں موجود ہیں کلیۃً ہم آہنگ ہو جانا یہ وہ مضمون ہے یہ وہ مقصد ہے جس کی خاطر انسان کو پیدا کیا گیا۔

اور صفات باری تعالیٰ کا کامل علم آنحضرت ﷺ کو دے کر مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ تمہارے مقاصد ان قوموں کے مقاصد سے بہت زیادہ وسیع، بہت زیادہ بلند اور بہت زیادہ عظیم ہیں۔ پہلی قومیں اگر خدا کی چند صفات کی مظہر بنی تھیں تو تمہیں تمام صفات باری تعالیٰ کا مظہر ہونا ہوگا۔ اس لئے ہر پہلو سے اپنی نفسانیت کو مٹانا ہوگا۔ یہ نفسیانیت کا مٹانا اگر میاں بیوی کے تعلقات میں نظر نہ آئے، باپ بیٹے کے تعلقات میں نظر نہ آئے، ساس بہو کے تعلقات میں نظر نہ آئے، خسر اور بہو یا داماد اور ساس اور سسر کے تعلقات میں نظر نہ آئے تو یہ رحمانیت کی باتیں، یہ صفات باری تعالیٰ کے تذکرے، یہ سارے فرضی قصے ہیں ان کے نتیجے میں پھر آپ کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔

پس میں آپ کو صوفی نہیں بنانا چاہتا۔ میں آپ کو وہ ولی بنانا چاہتا ہوں جو بنانے کے لئے محمدؐ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ولایت کا مضمون صفات باری تعالیٰ کو سمجھنے سے تعلق نہیں رکھتا، ان کو اپنی ذات میں جاری کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔ تفصیل کے ساتھ ان کو سمجھ کر ہمیشہ اپنی ذات کی نگرانی سے تعلق رکھتا ہے کہ جہاں جہاں ان کے اطلاق میں کمی ہے وہاں ان کو میں پوری طرح اطلاق کر کے دکھاؤں۔ اس راہ میں مصیبتیں ہیں، کوششیں ہیں، قربانیاں ہیں، جب ایک چیز کو رگڑ کے صاف کیا جاتا ہے تکلیف پہنچتی ہے۔ شیشہ شور مچائے یا نہ مچائے مگر انسان جب اپنے آپ کو صیقل کرتا ہے تو اس کا نفس ہر قدم پر کراہتا ہے، ہر صفائی کرنے والے ہاتھ کی حرکت سے اس کو تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ پس یہ کوئی آسان کام نہیں جو گوشۂ تنہائی میں جا کر ذکر الٰہی سے نصیب ہو جائے۔ ذکر الٰہی وہ ہے جو گوشۂ تنہائی سے آپ کی ذات کو باہر نکالتا ہے اور آپ خدا کی اس شان کے مظہر بننے لگتے ہیں

کہ کنت کنزاً مخفیا میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا فاردت ان اعرف پس میں نے ارادہ کیا کہ میں پہچانا جاؤں اور ظاہر ہوں، تب خدا فرماتا ہے کہ میں جلوہ گر ہوا ہوں اور پھر میں پہچانا گیا۔

تو یہ جو عمل ہے یہ اسماء الٰہی پر غور کرنے اور ان کو اپنی ذات میں جاری کرنے کے ساتھ اس طرح ظاہر ہوتا ہے۔ جہاں جہاں صفت باری تعالیٰ آپ کی ذات میں واقعۃً وجود کا حصہ بن جائے وہاں وہ ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔ دوسری ملتی جلتی تمام انسانی صفات کو دبا لیتی ہے۔ ان کا کوئی بھی وجود باقی نہیں رہتا اور ایک خدا نما وجود انسان کی ذات میں ابھرنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ اس مضمون سے جیسا کہ حق ہے اسی طرح فائدہ اٹھائیں۔ محض ذہنی چسکے نہ ہوں کہ آج بہت عرفان کی باتیں سنیں۔ وہ عرفان جو عرفان الٰہی ہے اس کے نتیجے میں تو ذات میں پاک تبدیلیاں ہوا کرتی ہیں وہ تبدیلیاں مقصود ہیں وہی مقصود ہونی چاہئیں ورنہ تو پھر محض مجلس کے قصے ہیں اس سے زیادہ ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

میں نے 1887ء کہہ دیا تھا 1987ء کی بجائے 1887ء میں بھی کوئی ملتا جلتا واقعہ ہوا ہوگا شاید۔ حیرت انگیز طور پر مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے وقت کے جلوے خدا اس دور میں پھر دکھا رہا ہے اور اصل منشاء یہ ہے یہ بتانا کہ یہ زمانہ مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام ہی کا زمانہ ہے کسی اور کا زمانہ نہیں اور جب تک ان سالوں میں وہ جلوے دہرائے جاتے رہیں گے جن کا میں نے ذکر کیا ہے اس وقت تک اس زمانے کا انسان ہمیشہ یقین سے بھرجاتا رہے گا کہ نام بدل رہے ہیں مگر زمانہ ایک ہی ہے یعنی آخرین کا زمانہ جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے جلوۂ احمدیت سے تعلق رکھتا ہے۔ تو غلطی ہو بھی گئی تو کوئی حرج نہیں اس سے ایک مضمون نکل آیا۔

خطبہ ثانیہ کے بعد حضور انور نے فرمایا:

آج چونکہ میں نے سفر پر جانا ہے اس لئے انشاء اللہ آج جمعہ کے ساتھ عصر کی نماز بھی جمع ہوگی اور احباب بھی دعا کریں اللہ ہر لحاظ سے اس سفر کو بابرکت کرے۔ آمین